خطی نسخہ باغ و بہار ۱۸۱۳ تاریخ کے تناظر میں

محمد اقبال *

ڈاکٹر محمد خان اشرف

ڈاکٹر محمد عارف

Abstract:

Bagh-O-Bahar is the most popular and classical book of Urdu prose by Meer Aman Dehlavi.It was first time published in 1803 under the supervision of John Gilchrist.It was edited by Ghullam Akbar under the Supervision of Thomas Roobuk In 1813 secondly.Its introduction was included in different history books but this edition and manuscript was out of sight. Introduction and analysis of this manuscript is covered in this article

ملخص:

باغ و بہار کو اردو نثر میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اسے پہلی بار جان گل کرسٹ کی زیر نگرانی ۱۸۰۳ میں چھاپا گیا۔پہلے ایڈیشن میں کئی غلطیاں تھیں جس کی بہ دولت کالج کونسل کی سفارشات کی روشنی میں لارڈ منٹو اول کی منظوری سے تھامس روبک کی نگرانی میں غلام اکبر نے ۱۸۱۳ میں مدون کیا۔اس کا ذکر کئی تاریخی کتب میں موجود ہے لیکن یہ نسخہ منظر عام سے غائب تھا۔اس آرٹیکل میں ۱۸۱۳ کے قلمی نسخہ کا تعارف اور تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

Keywords(English): Bagh-O-Bahar, Meer Amman, the College of Fort William, Ghulam Akbar, Manuscript,1813,John Gilchrist,Thomas Roobuk.

---

* پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

** پروفیسر شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

*** لیکچرار شعبہ اسلامیات، فیڈرل گورنمنٹ کالج سیالکوٹ کینٹ

کلیدی الفاظ: باغ و بہار، قلمی نسخہ، میر امن، غلام اکبر، عبیدہ بیگم، تھامس روبک، ایل ایف سمتھ، مخطوطہ، دی اینلز آف دی کالج آف فورٹ ولیم

دائمی حیات اور تحفظِ ذات، انسان کی وہ جبلی خواہش ہے جس کی پاداش میں انسان کو اس زمین پر اپنا مسکن بنانا پڑا۔ دائمی حیات اس خاکی جسم کے ساتھ انسان کا مقسوم و مقدور نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس خواہش کو قلم کے ذریعے لکھنا سکھا کر کسی حد تک آسودگی ضرور بخش دی۔ اللہ تعالیٰ نے فنِ تحریر کو بہ طور انعام اپنی صفت کریمی کی طرف منسوب کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ. الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ[1]۔

''پڑھو اور تمہارا رب بہت کریم ہے جس نے تمہیں قلم کے ذریعہ علم سکھایا''

قلم کے ذریعے لکھنا سکھا کر اللہ تعالیٰ نے انسان پر واقعی وہ احسان کیا ہے جس کی وجہ سے بھلے ہی انسان فنا ہو جائے لیکن رشحات قلم، اس کے خیالات کو امر کر دیتے ہیں۔ خیالات و نظریات کی ترویج و اشاعت میں قلم کا بہت اہم کردار ہے۔ قلم کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی انسان کی تاریخ۔ ابتدا میں انسان اپنے خیالات کے ابلاغ کے لیے اشکال و تصاویر کا سہارا لیتا رہا۔ اہرام مصر کی دیواروں پر کندہ تصاویر و اشکال اپنے دیکھنے والوں کو کوئی داستان سناتی اور کوئی پیغام دیتی محسوس ہوتی ہیں۔ انسان کی تمدنی ترقی کے ساتھ خیالات و نظریات کی ترویج کے طرق و اسالیب میں بھی ارتقا ہوا اور ان اشکال نے حروف کی شکل اختیار کر لی یوں کم جگہ میں نسبتاً زیادہ خیالات کو سمویا جانے لگا۔ دیواروں اور پتھروں کی سلوں کی جگہ کاغذ استعمال ہونے لگا۔ پریس تو بہت بعد میں ایجاد ہوا لیکن ہاتھ سے لکھے قلمی نسخوں کا آغاز قرون اولیٰ سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ یہ قلمی نسخے یا مخطوطے جہاں انسان کی علم دوستی کی شہادت دیتے ہیں، وہیں ان کے شکستہ اور کرم خوردہ حروف، اس دور کی تہذیب و تمدن کی خاموش داستان بھی بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ پریس کی ایجاد سے قبل قلم سے لکھی ان کتب کے لیے کوئی خاص اصطلاح استعمال نہیں ہوتی تھی کیوں کہ ہر کتاب کسی خوش نویس یا مصنف کے قلم سے ہی لکھی جاتی تھی اور اس میں کوئی خاص انفرادیت یا امتیاز نہ تھا۔ پریس کی ایجاد کے بعد قلم سے لکھی ان کتب کے لیے "قلمی نسخہ" یا "مخطوطہ" کی اصطلاح استعمال ہونے لگی۔ مخطوطہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنیٰ ہے کسی بھی مادی شے پر ہاتھ سے لکھا ہوا تحریری نمونہ[2]۔

پریس کی ایجاد سے اگرچہ کتب کی اشاعت میں تیزی آئی اور زیادہ لوگوں تک اس کی رسائی ہونے لگی تاہم اس کے باوصف قلمی نسخوں کی اہمیت وافادیت میں کمی نہیں آئی۔ مخطوطات نہ صرف مطبوعہ کتب کے مواد کو جانچنے کا بنیادی ذریعہ ہیں بل کہ یہ اپنے دور کی ثقافتی روایات کے امین بھی ہوتے ہیں۔ مخطوطات میں استعمال ہونے والے کاغذ کی بناوٹ اور روشنائی سے نہ صرف انسان کی تمدنی ترقی منعکس ہوتی ہے بل کہ اس کی کتابت کے اسلوب سے، اس دور میں رہنے والوں کی حسِ جمالیات کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن مذکورہ تمام امور ضمنی ہیں۔ اصل میں قلمی نسخہ، مطبوعہ نسخوں کی جانچ پڑتال کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیوں کہ قلمی نسخہ یا تو براہ راست مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے یا مصنف کی نگرانی میں کسی اچھے ماہر خطاط یا کاتب کے ہاتھ سے لکھا ہوتا ہے۔ یوں مطبوعہ کتاب کے مقابلے میں اس کی حیثیت اصل کی ہوتی ہے۔ پھر یہ مخطوطہ یا قلمی نسخہ اگر مصنف کے اپنے ہاتھ کا ہو تو اس کو استناد کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کی طباعت کے لیے تدوین کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ عمومی طور پر مسودہ ترتیب دیتے ہوئے عبارت و مضامین میں بے شمار سہو و نسیان واقع ہونے کا امکان ہوتا ہے اور تدوین کرنے والا محقق اس سہو و نسیان پر نہ صرف مطلع کرتا ہے بل کہ اس کی ممکنہ تصحیح کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔ پھر مخطوطہ پر اگر زمانے گزر چکے ہوں تو اس کی بوسیدگی، زبان کے محاورے اور روزمرہ میں تبدیلی بھی اسے عامۃ الناس کے لیے ناقابل فہم بنا دیتی ہے۔ ایسے میں تدوین کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مصنف کے ہم عصر یا اس کے کسی قابل ادیب اور محقق دوست کا تیار شدہ مخطوطہ کی اہمیت وافادیت بھی کسی طور کم نہیں ہوتی۔ ایسا محقق اگر اسی ادارہ کے زیر انتظام، اس مخطوطہ کی ترتیب وتدوین کا کام سرانجام دے جس کے تحت مصنف نے اس کے اصل مسودہ کو ترتیب دیا تھا تو اس کی افادیت دوچند ہو جاتی ہے۔

اردو زبان کو اپنے بچپن میں ہی پریس کی گود میسر آ گئی اور اس کے آنچل تلے اس کی پرورش ہوئی اور اس کے دامن میں قلمی نسخوں کا کوئی بہت زیادہ ذخیرہ نہیں لیکن اس کے باوجود دنیا کے مختلف کتب خانوں میں اس کے نادر مخطوطات کی کافی تعداد موجود ہے۔ یہ مخطوطات میراث ہیں اور تاریخی سرمایہ ہیں۔ یہ مخطوطات محققین، مدونین اور علمی اداروں کی طرف سے نگاہ التفات کے منتظر ہیں۔

اردو کی ترویج واشاعت اور اس کے ارتقا کے حوالے سے جب بھی گفتگو کی جائے گی تو اس ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام فورٹ ولیم کالج کے بغیر یہ نامکمل رہے گی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے برصغیر میں اپنے سیاسی غلبہ کے بعد اپنے افسروں کو ہندوستان کے مقامی لوگوں سے رابطہ کے لیے ہندوستان کی مقامی زبانیں سکھانے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے فورٹ ولیم کالج قائم کیا گیا۔ فورٹ ولیم کالج اگرچہ انگریزوں نے اپنے مفادات کے لیے قائم کیا تھا تاہم مشرقی زبانوں کی ترویج و اشاعت میں اس نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ بالخصوص اردو زبان وادب کے لیے اس کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اردو زبان کی انفرادیت یہ تھی کہ یہ پورے ہندوستان میں رابطے کا ذریعہ تھی اس لیے انگریزوں نے اس کو سیکھنے کی طرف بھرپور توجہ دی۔ اس مقصد کے لیے مختلف مترجمین کی خدمات حاصل کی گئیں اور کئی کتب کے تراجم (Translation) کرائے گئے، جن میں سے "باغ و بہار" ایک ہے۔ "باغ و بہار" ،جو فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کی نصابی ضروریات کے تحت "نو طرزِ مرصع" کی باز تخلیق (Re-Creation) ہے، ہندوستان میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان (اردو) سے انگریز سول افسران کو متعارف کروانے کا سب سے معتبر ذریعہ بنی[3]۔ فورٹ ولیم کالج کے ارباب اختیار کے ہاں بھی یہ کتاب بڑی مقبول اور ہر دل عزیز تھی۔ اس کا اندازہ پروفیسر جوزف ٹیلر کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اس نے کالج کونسل کو ایل ایف سمتھ کی انگریزی ترجمہ کی درخواست کے جواب میں دیا تھا۔ پروفیسر جوزف نے کہا تھا:

> میں باغ و بہار کو تو اپنی درسی کتابوں میں سب سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہوں اور اسے نایاب بھی نہیں ہونے دینا چاہیے[4]۔

یہی وجہ ہے کہ ۳۰ ستمبر ۱۸۱۲ء کے سالانہ جلسہ میں جن کتب کی دوبارہ اشاعت کی منظوری دی گئی تھی اس فہرست میں "باغ و بہار" کا نام بھی شامل ہے۔ اس منظوری کے بعد ایل ایف سمتھ وہ پہلا شخص ہے جس نے اس ضمن میں کوشش کی اور جنوری ۱۸۱۳ء میں کالج کونسل کو باغ و بہار کے انگریزی ترجمہ اور اس کی اشاعت میں مدد کرنے کی درخواست کی۔ "وثائق فورٹ ولیم کالج" میں ایل ایف سمتھ کی اس درخواست کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:

> "باغ و بہار کا پہلا ایڈیشن خاتمے کے قریب تھا اور کالج کے نصاب میں شامل ہونے اور عام طور پر مقبول ہونے کی وجہ سے اس کے نئے ایڈیشن کی اشاعت محسوس کی جا رہی تھی۔ چناں چہ اس ضرورت کو پورا کرنے

کے لیے اوّل ایل ایف سمتھ نے ۶ جنوری ۱۸۱۳ء کو کالج کونسل سے اس کتاب کی اشاعت میں مدد کرنے کی درخواست کی تھی۔ وہ اس کے اصل اردو کے ساتھ اس کا انگریزی میں لفظی ترجمہ بھی شائع کرنا چاہتے تھے ۔اس کے ساتھ ہی ان کا ارادہ وضاحتی نوٹ بھی شامل کرنے کا تھا۔اس وقت کالج کونسل نے یہ تجویز ہندوستانی کے پروفیسر جوزف ولیم ٹیلر کو یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا یہ کتاب خاص طور پر درسی ضرورت کے لیے مفید ہوگی؟ بھجوادی تھی۔اس پر ٹیلر نے کہا تھا کہ میں باغ وبہار کو تو اپنی درسی کتابوں میں سب سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہوں اور اسے نایاب بھی نہیں ہونے دینا چاہیے لیکن میں اس کے ترجمہ کو مفید نہیں سمجھتا۔اس ترجمے کی افادیت ان لوگوں کے لیے ہو سکتی ہے جنھوں نے کالج کی تعلیم سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔اس بات کے پیش نظر کالج کونسل اس کی سرپرستی کر سکتی ہے۔ لیکن یہاں نصاب تعلیم میں شامل کرنے کے لیے مفید نہیں ہوگی۔ غرض اس رائے کی وجہ سے اس وقت یہ درخواست رد کر دی گئی تھی[5]۔

الغرض جوزف ٹیلر کی رائے کی روشنی میں کالج کونسل کی طرف سے ایل ایف سمتھ کی درخواست مسترد کر دی گئی۔ سمتھ اس کا انگریزی ترجمہ تو ستمبر ۱۸۱۱ء میں ہی مکمل کر چکا تھا[6] لہٰذا جب کالج کونسل نے اس کی اشاعت میں تعاون نہ کرنے کا عندیہ دیا تو ایل ایف سمتھ نے کلکتہ سے اسے اپنی مدد آپ کے تحت شائع کرادیا۔انگریزی زبان میں "باغ و بہار" کے جتنے تراجم ہوئے ہیں ان میں سے ایل ایف سمتھ کا ترجمہ نہایت اہم ہے۔

ایل ایف سمتھ کی درخواست مسترد ہو جانے پر فورٹ ولیم کالج کے سابق سررشتہ دار منشی غلام اکبر نے کالج کونسل اور جوزف ٹیلر کی منشا کو جانتے ہوئے فروری ۱۸۱۳ء کو باغ و بہار کی دوبارہ اشاعت کی تجویز ایک عرضی کے ذریعے دی:

"خداوند نعمت دام اقبالہ

نسخۂ باغ وبہار یعنی قصۂ چہار درویش برائے صاحبان متعلم نہایت مفید است و تمامت کتاب مذکور تخمیناً دو صد و ہفتاد و ہفت فدوی می خواہد کہ نسخۂ مذکور را بچاپہ خانۂ ہندوستانی بقالب طبع آورد۔

از آن جا کہ تقطیع کتاب مذکور بدون اعانت و نوازش حضور بعید از مقدور فدوی است لہذا امیدوار تفضلات است کہ صد جلد کتاب مذکور فی صد صفحہ کلاں بموجب نمونۂ مرسولۃ الحضور بحساب شش روپیہ

ہشت آنہ بسرکار دولت مدار خرید شود کہ باقبال بندگان از اجرت طبع دل جمعی حاصل ساختہ بتطبیع کتاب مصروف باشد

زیادہ آفتاب دولت واقبال تاباں ودرخشاں باد!

عرضی فدوی غلام اکبر"[7]

کالج کونسل نے اس عرضی کو بھی پروفیسر ولیم ٹیلر کو ان کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے بھجوادیا۔ ٹیلر نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تو مسٹر اسمتھ کی درخواست کے سلسلے میں اس کتاب کی اہمیت اور درسی افادیت پر پہلے ہی روشنی ڈال چکا ہوں اور کہہ چکا ہوں کہ اس کا دوبارہ چھپنا ضروری ہے۔ منشی غلام اکبر میں اس کام کی بڑی صلاحیت ہے۔ اس پر کالج کونسل نے اپنے خط مورخہ ۱۷ فروری ۱۸۱۳ء میں حکومت سے اس کی سو جلدیں ۱۸۰۰ روپے میں خریدنے کی سفارش کی۔ حکومت نے کالج کونسل کے نام ۱۹ مارچ ۱۸۱۳ء کے اپنے خط کے ذریعے اس تجویز کی منظوری کی اطلاع دی۔[8]

چناں چہ منشی غلام اکبر نے اس کتاب کو دوبارہ اشاعت کی غرض سے مدون کرنا شروع کیا اور یہ نسخہ ستمبر ۱۸۱۳ء بہ مطابق رمضان المبارک بروز جمعرات مکمل ہوا اور اسے ۲۰ ستمبر ۱۸۱۳ء کے سالانہ اجلاس میں پیش کیا گیا۔ "دی اینلز آف دی کالج آف فورٹ ولیم" میں ۱۸۱۳ء کی شائع شدہ کتب کی فہرست میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

> "A new edition of the Bagho Buhar, being a translation into the Hindoostanee Language, by Meer Ummun, of the celebrated Persian Tale, entitled Qissue Chuhar Durvesh, or the Tale of the Four Dervises, written by Umeer Khooro. The present work has been edited by Moonshee Ghulam Akbar, under the Suprintendence of Captain Roebuck.[9]"

گویا ۱۸۱۳ء میں باغ و بہار کے دو ایڈیشن شائع ہوئے جن میں سے ایک ایل ایف سمتھ کا انگریزی ترجمہ اور دوسرا کالج کونسل کی منظوری اور مالی تعاون کے ساتھ منشی تھامس روبک کی زیر نگرانی غلام اکبر کی تصحیح وتدوین کے ساتھ۔ منشی غلام اکبر کا مذکورہ نسخہ ایل ایف سمتھ کے انگریزی ترجمہ سے پہلے شائع ہو گیا تھا

کیوں کہ ایل ایف سمتھ نے اپنے دیباچہ [10] میں پوسٹ سکرپٹ کے عنوان سے غلام اکبر کے اس نسخہ کا تذکرہ کیا ہے چناں چہ ایل ایف سمتھ اپنی کتاب کے پس نوشت میں لکھتا ہے:

"Since writing the above, I am happy to find that all the copies of the chuhar Durwesh in the Oordoo language, that were printed, have been sold, and that Ghulam Akbar, an intelligent Moonshee, attached to the College of Fort William, has given the Public a second Edition of that useful Work, which I would recommend to all those who wish to acquire the pure and correct Hindoostanee, I beg to conclude by offering my grateful thanks to Captain Thomas Roebuck, Sub-Secretary and Examiner of Hindoostanee in the College of Fort William; and to ensign Graves Chamney Haughton a student in the same College, for the kind assistance they have afforded me in this translation. " [11]

اس پس نوشت میں ایل ایف سمتھ نے نہ صرف غلام اکبر کی لیاقت کا اعتراف کیا ہے بل کہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ غلام اکبر کا کالج کے ساتھ تعلق ضرور تھا اور یہ تعلق اس کی علمی قابلیت کی وجہ سے ہی تھا۔اس پس نوشت سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب یہ پس نوشت لکھی گئی اس وقت تک غلام اکبر اپنے نسخہ کو شائع کروا چکا تھا۔غلام اکبر کا ترتیب دیا گیا یہ نسخہ اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ یہ وہ نسخہ ہے جس کو میر امن کے اصل مسودہ کو سامنے رکھ کر کالج کونسل کے سب سیکرٹری تھامس روبک کی زیر نگرانی تیار کیا گیا اور کالج کونسل نے فنڈز بھی مہیا کیے۔اردو ادب کے جدید محققین رشید حسن خان اور مرزا حامد بیگ نے اس نسخہ کا تذکرہ نہیں کیا حالاں کہ انیسویں صدی کی ہر ادبی تاریخی کتاب میں اس کا ذکر موجود ہے۔یہاں چند کتب تواریخ کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

"اینلز آف فورٹ ولیم کالج "جو کہ فورٹ ولیم کالج کی انتہائی معتبر تاریخ ہے جسے کالج کے اسسٹنٹ سیکرٹری تھامس روبک نے مرتب کیا اور اس میں کالج کی سالانہ بنیادوں پر علمی وادبی کاوشوں کی روداد بیان کی گئی ہے۔اس کے ضمیمہ میں اس ایڈیشن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"Bagh o Buhar, or the Garden and the spring; a Translation into the Hindustanee Tongue, of the celebrated Persian

Tale, entitled Qissa e Chuhar Dervesh, executed under the direction of John Gilchrist, by Meer Ummun, for the use of the students in the College of Fort William, second Edition, by Ghulam Akbarr, formerly surishtadar of the Hindoostanee Department, under the suprintendence of Captain Thomas Roebuck, Examiner and Assistant Secretary in the College of Fort William. Calcutta, printed by P. Pereira, at the Hindoostanee Press, in one Vol. 4to. 1813[12]"

"لینگوئسٹک سروے آف انڈیا" میں "باغ و بہار" کے کئی نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں غلام اکبر کا نسخہ ۱۸۱۳ء بھی شامل ہے۔

"Second edition by ghulam Akbar under the superintendence of captain Thomas Roebuck, Calcutta 1813.[13]"

اردو زبان و ادب کی ایک اور معتبر کتاب "فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات" میں عبیدہ بیگم نے اس نسخہ کے بارے میں یوں لکھا ہے:

"اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۱۳ء میں غلام اکبر نے تھامس روبک کی نگرانی میں ترتیب دیا۔"[14]

ایک اور جگہ عبیدہ بیگم نے اس نظر ثانی شدہ ایڈیشن کا حوالہ یوں دیا:

"تھامس روبک نے ۱۸۱۳ء میں باغ و بہار کا نیا ایڈیشن ترتیب دیا۔"[15]

ڈاکٹر شہناز نبی نے اپنی کتاب "فورٹ ولیم کالج اور حسن اختلاط" میں "باغ و بہار" کے اس دوسرے ایڈیشن کا ذکر کیا ہے[16]۔ جب کہ سمیع اللہ نے "انیسویں صدی میں اردو کے تصنیفی ادارے" میں "باغ و بہار" کے کلکتہ سے شائع ہونے والے تمام ایڈیشنز کا احاطہ کیا ہے۔ یہ تقریباً نو ایڈیشنز ہیں جن میں سے ۱۸۱۳ء کا نسخہ ایک ہے۔[17]

"باغ و بہار" کے اس نایاب نسخے کا تذکرہ صرف ادبی تواریخ میں ہی نہیں ملتا بل کہ برٹش میوزیم لائبریری میں ہندوستانی مطبوعہ کتب کے کیٹلاگ میں اس کا ذکر موجود ہے ، اس کا کیٹلاگ نمبر

14112.e.4 ہے۔[18] اس کیٹلاگ میں اس کا سائز بھی لکھا ہوا ہے ۴ٹو[19]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ لائبریری میں اس کا مطبوعہ نسخہ بھی موجود ہے۔

برٹش میوزیم لائبریری میں اس کا مطبوعہ نسخہ اگرچہ موجود ہے تاہم راقم کوشش کے باوجود تاحال حاصل کرنے سے معذور رہے۔ یہ نسخہ اپنی کئی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے اردو ادب کا ذوق رکھنے والوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ خوش قسمتی سے ۱۸۱۳ء کے اس نسخہ کا قلمی نسخہ یا مخطوطہ زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہا اگرچہ دو سو سال سے زائد عرصہ یہ پردہ اخفا میں رہا تاہم ڈاکٹر محمد عارف کی ادب شناس نگاہ اس کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوئی۔ "باغ و بہار" کا یہ تاریخی قلمی نسخہ مارچ ۲۰۰۰ء میں ڈاکٹر محمد عارف نے اپنے نانا محمد چراغ دین، جو ایک عالم دین اور وثیقہ نویس تھے، کی وفات کے بعد ان کے کتب خانے سے حاصل کیا۔ جب اس نسخہ کو حاصل کیا گیا تو اس وقت اس کی اہمیت فقط اتنی تھی کہ یہ دو سو سال پرانی، ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب تھی۔ لیکن بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ نے تحقیق کا ذوق عطا کیا تو اردو ادب میں اس کی تاریخی اہمیت کا بھی اندازہ ہوا۔ اس تحقیقی مضمون کا مقصد "باغ و بہار" کے اسی تاریخی نایاب قلمی نسخہ کا تعارف کرانا ہے۔ لیکن تعارف سے قبل ضروری ہے کہ مخطوطہ سے ایسی داخلی اور خارجی شہادتیں پیش کر دی جائیں جو اس کے مستند اور اصل ہونے کی گواہی دیں۔

خارجی شہادتیں تو سطور بالا میں پیش کی جا چکی ہیں جس سے بالیقین یہ واضح ہو گیا کہ ۱۸۱۳ء میں تھامس روبک کی زیر نگرانی کالج کونسل کی مالی معاونت سے غلام اکبر نے "باغ و بہار" کا نسخہ ترتیب دیا تھا اور وہ شائع بھی ہوا تھا۔ برٹش میوزیم لائبریری میں اس کا مطبوعہ نسخہ بھی موجود ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ مخطوطہ وہی ہے جو ۱۸۱۳ء میں ترتیب دیا گیا تھا؟ اس مخطوطے میں ایسی کئی داخلی شہادتیں موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ وہی نایاب تاریخی قلمی نسخہ ہے۔ پہلی داخلی شہادت تو یہ ہے کہ اس مخطوطے میں غلام اکبر نے ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں اس نے مرتب کا نام، سن ترتیب اور کالج کونسل کے جس اہلکار کی زیر نگرانی ترتیب دیا گیا، ان تمام تفصیلات کو اس نے خود صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے لہٰذا تمام شکوک و شبہات سے بالاتر ہو کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ کی عبارت:

"بموجب ارشاد خداوند نعمت معدن فضل و مروت جناب کپتان تامس روبک صاحب دام افضالہ کی اور غلام اکبر کی صحبت سی جو کلکرست صاحب کے وقت مین مدرسی کی تفریق ہندی کا سر رشتہ دار تہا، ۱۸۱۳ عیسوی مطابق ۱۲۲۸ ہجری کی ہندوستانی چہاپی خانی میں سرِ نوسی چہاپا گیا۔"[20]

مذکورہ عبارت میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یہ نسخہ تھامس روبک کے حکم پر غلام اکبر نے ترتیب دیا۔ غلام اکبر نے اپنا تعارف "مدرسے کی تفریقِ ہندی کا سر رشتہ دار تھا" کے الفاظ سے کرایا ہے اور تاریخی حوالوں سے غلام اکبر کے اس تعارف کی تائید ہوتی ہے۔ تھامس روبک نے اپنی "دی اِنلز آف دی کالج آف فورٹ ولیم" میں بھی غلام اکبر کو سابقہ سر رشتہ دار بتایا گیا ہے۔ سن ترتیب عیسوی اور ہجری دونوں میں بیان کیا گیا ہے جس کی تائید اردو ادب کی تواریخ سے ہوتی ہے۔ پھر مقدمہ میں "سرِ نو" کے الفاظ سے اس کے دوسرا ایڈیشن ہونے کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

دوسری داخلی شہادت اس قلمی نسخہ کے اختتامیہ میں جو تاریخ اختتام درج کی گئی ہے وہ تاریخ بالکل ۱۸۱۳ء کے سالانہ اجلاس سے چند دن پہلے کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نسخہ کو اس اجلاس میں پیش کرنے کے لیے بہ عجلت مکمل کیا گیا۔ ملاحظہ ہو مخطوطہ کی اختتامیہ عبارت:

"تمام شد نسخہ باغ و بہار المشہور چار درویش من تصنیف میر امن بروز پنجشنبہ بتاریخ نہم ماہ رمضان المبارک"

اس عبارت میں مخطوطے کی تاریخ تکمیل بیان کی گئی ہے۔ یہ مخطوطہ بروز جمعرات ماہ رمضان میں مکمل ہوا[21]۔ ۱۲۲۸ ہجری کا ماہ رمضان عیسوی کیلنڈر کے مہینے اگست سے شروع ہو کر ستمبر تک چلتا ہے۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ مخطوطہ ستمبر کے ابتدائی ایام میں مکمل ہو چکا تھا۔ ایل ایف سمتھ نے اپنے انگریزی ترجمہ میں پوسٹ سکرپٹ میں غلام اکبر کے اس ایڈیشن کا تذکرہ کیا ہے اس سے بھی اس مخطوطہ کی ماہ رمضان میں تکمیل کی تائید ہوتی ہے[22]۔

۲۰ ستمبر کو فورٹ ولیم کالج میں سالانہ اجلاس منعقد کیا گیا تھا جس میں اس کتاب کو پیش کیا گیا۔ "دی اِنلز آف دی کالج آف فورٹ ولیم" میں ۱۸۱۳ء کے سالانہ اجلاس میں پیش کی جانے والی کتب کی فہرست میں

اس نسخہ کا نام شامل ہے۔ لہٰذا اس سے بھی اس دعویٰ کو تقویت ملتی ہے کہ یہ نسخہ وہی ہے جسے غلام اکبر نے ۱۸۱۳ء میں ترتیب دیا۔

تیسری شہادت مخطوطہ کا سائز ہے۔ تھامس روبک نے جہاں اس نسخہ کا ذکر کیا ہے وہیں اس نے اس کا سائز بھی ذکر کیا ہے۔ اوپر تھامس روبک کا مکمل اقتباس ذکر کیا جاچکا ہے یاد دہانی کے لیے مذکورہ مقام اختصار سے دوبارہ پیش خدمت ہے:

> Bagh o Buhar. (…) Calcutta, printed by P. Pereira, at the Hindoostanee Press, in one Vol. 4to. 1813[23]"

اس اقتباس میں تھامس روبک نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ۱۸۱۳ء کے مذکورہ نسخہ کو ایک جلد میں ترتیب دیا گیا اور اس کا سائز "4to" تھا۔ برٹش میوزیم لائبریری میں اس کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے اس کا سائز بھی کیٹلاگ میں "4to" بیان کیا گیا ہے اوپر کی سطور میں اس کا حوالہ دیا جاچکا ہے۔ "4to" کوارٹو کا مخفف ہے اور اس سے مراد ہے کہ ایک پیپر شیٹ کو دو دفعہ دوہرا کریں کہ اس کے ۴ ورق بن جائیں[24] اور یہ تقریباً ۱۰/۷ انچ بنتا ہے۔ جب ہم اس مخطوطہ کا سائز ماپتے ہیں تو ۷/۱۰ انچ کا ہے یعنی بالکل وہی سائز جو تھامس روبک نے "دی اِنلز آف دی کالج آف فورٹ ولیم" میں بیان کیا اور برٹش میوزیم لائبریری کے کیٹلاگ میں بتایا گیا۔

ایک اور داخلی شہادت جو خارجی شہادت کی تائید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ "دی اِنلز آف دی کالج آف فورٹ ولیم" میں ۱۸۱۳ء کے اس نسخہ کی بابت وضاحت کی گئی ہے کہ یہ ہندوستانی پریس سے شائع کیا گیا اور اس مخطوطہ کے دیباچہ میں بھی واضح لکھا ہے کہ "ہندوستانی چھاپہ خانہ میں سرنو سے چھاپا گیا۔"

ان داخلی اور خارجی شہادتوں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ مخطوطہ غلام اکبر نے کالج کونسل کی منظوری اور مالی تعاون سے تھامس روبک کی زیر نگرانی ۱۸۱۳ء میں ترتیب دے کر ہندوستانی چھاپہ خانے سے شائع کیا۔

تاریخی اور استنادی حیثیت کے اثبات کے بعد اب اس مخطوطہ کا تعارف پیش خدمت ہے۔ "باغ و بہار" کا یہ نایاب مخطوطہ مضبوط گتے اور چمڑے کی جلد میں محفوظ ہے۔ گتہ کو پہلے کپڑے میں ملفوف کیا گیا ہے بعد ازاں گتہ کے اطراف پر چمڑا چڑھایا گیا ہے۔ پشت کپڑے کی ہے جو اپنی بوسیدگی کے باوجود اس قیمتی اثاثے کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ کسی زمانے میں اس کی جلد پر کوئی تعارفی تحریر بھی موجود ہو گی لیکن

شاید محمد چراغ دین نے اس کی حفاظت کے لیے بعد میں جو کاغذ چسپاں کیا۔ اس میں وہ تحریر چھپ گئی، کہیں کہیں اوپری کاغذ کے نیچے کچھ حروف دکھائی دیتے ہیں لیکن مکمل سمجھ نہیں آتے۔ اس جلد کو جب کھولا جائے تو اصل متن کی ابتدا سے پہلے، اسی طرح خاتمہ کتاب کے بعد تین تین اوراق خالی رکھے گئے ہیں جن پر کسی مرتب کی لکھی ہوئی کوئی تحریر نہیں البتہ جب یہ مخطوطہ محمد چراغ دین کے ہاتھ آیا تو انھوں اس پر کافی کچھ لکھا ہے۔ لیکن ان صفحات پر تحریر کے لیے استعمال ہونے والی روشنائی اور رسم الخط مخطوطے کے متن میں استعمال ہونے والی روشنائی اور رسم الخط سے بالکل مختلف ہے۔ اس خطی نسخے کی املا اور روشنائی انتہائی قدیم ہے۔ شروع کے تین خالی اوراق میں سے پہلے ورق پر محمد چراغ دین نے نہایت عمدہ انداز میں خط شکستہ میں اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں لکھا ہے:

چہار درویش
عرف باغ و بہار
مصنفہ مولوی پیر بخش
سکنہ ضلع دہلی ۱۲۱۷ ہجری
بقلم خود محمد چراغ دین
تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداس پور
۳۰/اپریل ۱۹۱۴ء

اس تعارفی تحریر میں کتاب کا اصل نام "چہار درویش" لکھا گیا ہے اور "باغ و بہار" کو عرف قرار دیا گیا ہے۔ کتاب کے متن میں کسی جگہ چہار درویش" عنوان نہیں ملتا۔ دیباچہ اور اختتام میں "چار درویش" کا لفظ ملتا ہے بل کہ اختتامیہ میں "باغ و بہار" کو اصل قرار دیا گیا ہے اور چار درویش کے نام سے اس کا مشہور ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو اختتامیہ کی عبارت:

"تمام شد نسخہ باغ و بہار المشہور چار درویش من تصنیف میر امن بروز پنجشنبہ بتاریخ نہم ماہ رمضان المبارک"

پھر اس تحریر میں مصنف کا نام مولوی پیر بخش لکھا گیا ہے حالاں کہ کتاب کے متن میں کسی جگہ بھی مصنف کا نام مولوی پیر بخش نہیں لکھا گیا بل کہ کتاب کے دیباچے اور اختتامیہ میں واضح طور پر مصنف کا نام

میرا امن لکھا ہے پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ چراغ دین مرحوم نے مصنف کا نام مولوی پیر بخش لکھ دیا؟ایک احتمال تو یہ ہے کہ محمد چراغ دین نے کتاب کو مکمل پڑھا ہی نہیں اور خود سے مصنف کا نام مولوی پیر بخش لکھ دیا لیکن یہ مفروضہ اس لیے درست نہیں ہو سکتا کیوں کہ تعارفی تحریر میں اگلی سطر میں مصنف کو ضلع دہلی کا رہائشی اور ۱۲۱۷ ہجری سن تصنیف بتایا گیا ہے جو کتاب کے متن میں درج ہے۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ محمد چراغ دین نے کتاب کو مکمل پڑھا ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ جہاں مصنف کا دہلی کا رہائشی ہونا اور اس کا سن تصنیف بیان کیا گیا ہے وہیں مصنف کا نام میرا امن بھی لکھا ہوا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ محمد چراغ دین نے مصنف کے نام کی جگہ میرا امن کے بجائے مولوی پیر بخش لکھا!اس سے محسوس ہوتا ہے کہ محمد چراغ دین کتاب کے علاوہ کسی اور حوالہ سے بھی مصنف کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔اگر یہ فرضیہ درست تسلیم کر لیا جائے تو امکانی طور پر کہا جا سکتا ہے **کہ میرا امن کا اصل نام مولوی پیر بخش تھا اور میرا امن ان کا عرف** تھا۔اس تعارفی تحریر میں یہ بھی واضح ہے کہ یہ تعارف لکھنے والا محمد چراغ دین ہے اور انھوں نے یہ تحریر ۱۹۱۴ء میں لکھی۔اسی تعارفی تحریر کو مکرر لیڈ پنسل سے بھی لکھا گیا ہے۔اسی صفحہ پر محمد چراغ دین نے کسی کا شجرہ نسب بھی تحریر کیا ہوا ہے جو غالب گمان ہے اپنے کسی رشتہ دار کا شجرہ نسب ہے اور صاحب شجرہ کے نارووال کا رہائشی ہونا بھی بتایا گیا ہے۔ محمد چراغ دین کی بیٹی رشیدہ کلثوم کے بہ قول آخری عمر میں ان کے والد یعنی محمد چراغ دین کو رعشہ لاحق ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ہاتھ کپکپاتے تھے۔ لکھائی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کپکپاتے ہاتھوں سے یہ شجرہ لکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ مکمل شجرہ پڑھنا ذرا دشوار ہے البتہ جو سمجھ میں آتا ہے وہ عبارت یہ ہے:

کرم الٰہی ولد اللہ داد
کرمداد ولد نبی بخش
سکنہ پچوالیاں تحصیل نارووال

اس صفحہ کے دوسری طرف محمد چراغ دین نے اپنا نام انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔اس سے اگلے صفحہ پر بہت سی تحریریں اردو انگریزی کی ملتی ہیں۔اردو تحریروں میں ایک تحریر بالکل واضح پڑھی جاتی ہے وہ درج ذیل ہے:

مالک ایں کتاب منشی ظہور احمد قریشی فاروقی

شکر گڑھ ضلع گورداس پور
ڈاکخانہ خاص شکر گڑھ

یہی عبارت لیڈ پنسل (Lead Pencil) سے مکرر لکھی گئی ہے۔ یہ منشی ظہور احمد، محمد چراغ دین صاحب کے رشتے میں بھتیجے لگتے ہیں۔ محمد چراغ دین کے شجرہ میں ان کا نام موجود ہے۔ لیکن ظہور احمد قریشی کا اس کتاب کی ملکیت کا دعویٰ مبنی بر حقیقت نہیں۔ اسی صفحہ پر محمد چراغ دین نے اپنا تعارف بھی لکھا ہوا ہے اس تعارف میں محمد چراغ دین کی اصل رہائش گاہ فتووال تحصیل شکر گڑھ، ضلع گورداس پور بتائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف جگہوں پر بے شمار الفاظ لکھے ملتے ہیں۔ کتاب کے ان خالی صفحات پر لکھی تحریریں دیکھ کر جہاں محمد چراغ دین کی خوشخطی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھیں شعوری اور غیر شعوری طور پر لکھنے کا بہت شوق تھا اسی لیے جگہ جگہ تحریریں ملتی ہیں۔ اس صفحہ کی پشت پر منشی ظہور احمد قریشی کا نام لکھا ہے اور سرخ روشنائی سے انگریزی میں محمد چراغ دین لکھا ہے اس کے علاوہ انگریزی میں ہی تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداس پور ایک دفعہ پھر لکھا ہے۔ اس سے اگلا صفحہ جو کہ آخری خالی صفحہ ہے کتاب کی دریافت کے حوالے سے بہت معلوماتی ہے۔ اس صفحہ پر محمد چراغ دین پورے صفحہ پر ٹائٹل بنایا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس ٹائٹل میں جلد کے ٹائٹل کو بنیاد بنا کر لکھا گیا ہے

۷۸۶
بسم اللہ الرحمن الرحیم
قصہ باغ و بہار
عرف چہار درویش
مملوکہ احقر بقلم خود محمد چراغ دین
از شکر گڑھ، ضلع گورداس پور
حال وارد نوشہرہ ککزیاں
مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۱۴ء

اس تحریر کے ساتھ ہی اس کو مکرر لکھا گیا ہے۔ دونوں خط محمد چراغ دین کے ہیں البتہ مذکورہ بالا تحریر ۱۹۱۴ء کی ہے جب کہ مکرر تحریر کسی بعد کے زمانے کی ہے کیوں کہ اس کا خط پختہ ہے۔ اس ٹائٹل کی ابتدائی

معلومات تو براہ راست کتاب کے بارے میں ہیں۔ یہاں کتاب کا عرف "چہار درویش" قرار دیا گیا ہے جو کہ متن کے موافق ہے۔اس تعارف میں ملکیت کا دعویٰ بھی کیا اور نہ صرف اپنا مستقل پتہ بتایا ہے بل کہ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ تحریر لکھتے ہوئے وہ "نوشہرہ ککزیاں" موجود تھے۔یہ "نوشہرہ ککزیاں" پسرور ضلع سیالکوٹ کا نواحی اور قدیم دیہات ہے جہاں آج بھی لکڑی سے بنی قدیم اور خوبصورت عمارات ماضی کی داستانیں سناتی محسوس ہوتی ہیں۔مذکورہ دیہات دراصل محمد چراغ دین کا ننھیال تھا[25]۔محمد چراغ دین کے والدین بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے اس لیے ان کا بچپن یہیں "نوشہرہ ککزیاں" اپنے ماموں کے ہاں گزرا۔اور یہیں یہ کتاب ان کے ہاتھ لگی۔

محمد چراغ دین اپنے والد کی طرف سے قریشی فاروقی خاندان سے تھے۔ان کا شجرہ نسب ساتویں پشت میں شاہ ولی محدث دہلوی کے پردادا معظم کے ساتھ مل جاتا ہے۔تاہم ان کے ننھیال سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے[26]۔راقم الحروف ماضی کے دھندلے نقوش کی تلاش میں "نوشہرہ ککزیاں" پہنچا اور سادات خاندان کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔مذکورہ دیہات میں یہ اکلوتا سادات خاندان تھا لہٰذا یہ تو یقینی امر تھا کہ محمد چراغ دین کا ننھیال یہی ہے تاہم ایک زمانہ بیت چکا تھا اور کوئی ایسا بزرگ نہ مل سکا جو ماضی کے اس دریچہ کو وا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا۔مذکورہ تحریر سے یہ تو قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پہلی دفعہ جب محمد چراغ دین کے ہاتھ میں یہ کتاب آئی اس وقت وہ اپنے ننھیال نوشہرہ ککزیاں میں موجود تھے لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی کتاب جو کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی وہ پسرور کے ایک دیہات میں کیسے پہنچی؟ قوی امکان یہ ہے کہ اس کے مرتب میر غلام اکبر نوشہرہ ککزیاں کے اسی سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہوں اور محمد چراغ دین کے نانا یا کوئی ننھیالی رشتہ دار ہو[27]۔سادات کا علم وادب کی طرف میلان کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ممکن ہے کہ میر غلام اکبر علم کے حصول کے لیے دہلی آئے ہوں، وہاں انھوں نے اخبار "کلکتہ گزٹ" میں فورٹ ولیم کالج میں منشیوں کی بھرتی کا اشتہار پڑھا ہو اور تلاش روزگار میں کلکتہ جا پہنچے ہوں۔اخیر عمر میں جب اپنی علمی مصروفیات کو سمیٹا تو واپس اپنے کنبے قبیلے میں نوشہرہ ککزیاں تشریف لے آئے۔تاہم یہ قیاس ہے، قطعی معلومات اگر کوئی دے سکتا تھا تو وہ محمد چراغ دین تھے جو ۱۹۶۵ء میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پا گئے[28]۔

اس صفحہ کی پشت سے کتاب کا متن شروع ہوتا ہے۔ کتاب کا متن ۲۳۴ صفحات تک پھیلا ہوا ہے تاہم صفحہ نمبر درج نہیں کیے گئے بعد میں سہولت کی خاطر محمد چراغ دین نے خود سے صفحہ نمبر لگائے ہیں۔ جس صفحہ پر کتاب کے متن کا اختتام ہوتا ہے اس کی پشت پر کچھ نام لکھیں اور ان کا پتہ وغیرہ لکھا ملتا ہے:

مولوی غلام رسول جماعت سوئم مڈل اینگلو ورنیکلر
ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول شکر گڑھ۔ ضلع گورداس پور
ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع گورداس پور

مذکورہ تحریر قلم سے جلی حروف میں مکرر لکھی۔ لیڈ پنسل سے بھی یہی نام لکھا ملتا ہے اور اس کے ساتھ حکیم صاحب کا لقب بھی ملتا ہے۔ محمد چراغ دین کے شجرہ نسب کو ملاحظہ کیا جائے تو یہ مولوی غلام رسول صاحب، رشتہ میں چراغ دین صاحب کے چچازاد لگتے ہیں۔ منشی ظہور احمد جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے وہ غلام رسول صاحب کے سگے بھتیجے تھے۔

اسی صفحہ پر ایک اور تحریر ملتی ہے ملاحظہ ہو:

مولوی عبدالحسن صاحب
مقام لکھنو

یہ نام اسی صفحہ پر تین بار لکھا ملتا ہے۔ یہ نام بھی محمد چراغ دین کے شجرہ نسب میں نہیں ملتا ہے۔ اس صفحہ پر ایک اور نام محمد مقبول صاحب شیعہ لکھا ہے۔ یہ نام شجرہ میں موجود نہیں۔ راقم الحروف کا وجدان ہے کہ یہ دونوں نام شاید محمد چراغ دین کے ننھیال میں سے ہوں گے۔

اس سے اگلے صفحہ پر کتاب باغ و بہار کی فہرست بنائی گئی ہے۔ اس کی روشنائی کتاب کے متن میں استعمال ہونے والی روشنائی سے مختلف ہے۔ متن کی روشنائی پختہ، چمکدار، نمایاں اور خوب سیاہ ہے جبکہ اس فہرست کی روشنائی عام، پھیکی اور مدہم ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فہرست متن کی کتابت کے عرصہ بعد بنائی گئی ہے۔ ممکن ہے محمد چراغ دین صاحب نے بنائی ہو لیکن خط اتنا صاف نہیں جتنا محمد چراغ دین کی دیگر تحریروں میں ہے۔ اس سے اگلا صفحہ ملاحظہ کریں تو اس پر محمد چراغ دین نے متعدد بار اپنا نام اور دستخط کیے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ جلی قلم سے ایک اور نام ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مولوی علی اکبر مدرس مدرسہ شکر گڑھ

ضلع گورداس پور

یہ علی اکبر صاحب شجرہ میں محمد چراغ دین صاحب کے چچازاد ہیں اور مولوی غلام رسول جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے، کے بھائی ہیں۔

اسی صفحہ پر ایک اور تحریر لکھی ہے ملاحظہ ہو:

جناب منشی امداد نبی صاحب تحصیلدار صاحب تحصیل ظفروال

بقلم خود محمد نصیب پٹواری

امداد نبی صاحب کا نام بھی محمد چراغ دین کے شجرہ میں ملتا ہے یہ چچازاد کے بیٹے یعنی بھتیجے لگتے ہیں۔ جب کہ محمد نصیب پٹواری اسی امداد نبی صاحب کا چچازاد ہے۔

اس سے اگلے صفحہ پر ایک تحریر حکم نامہ کی طرز پر لکھی ہے۔ لکھائی محمد چراغ دین صاحب کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ حکم نامہ شاید مزاح میں لکھا گیا ہے یا اصل حکم نامہ کو دیکھ کر لاشعوری طور پر لکھ دیا گیا ہے۔ تحریر یہ ہے:

بحکم جناب تحصیلدار صاحب شکر گڑھ

منشی محمد نصیب پٹواری حلقہ دودھو چک تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداس پور تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ کل تم بمعہ اسامیاں انتقالات اپنے حلقہ کا لیکر بڑا پنڈ میں حاضر ہو جاؤ۔ ضروری کل ہم بارہ بجے دن کے وہاں آئیں گے۔ ضروری ضروری

نیچے چراغ دین صاحب کے دستخط کیے معلوم ہوتے ہیں۔

آخری صفحہ پر دو دفعہ تسمیہ لکھی ہوئی ہے اور مہینوں کے نام اور ان کے دنوں کی تعداد لکھی ہوئی اور چراغ دین صاحب کے متعدد بار دستخط ہیں۔

یہ متن کے بعد کے تین خالی صفحات کا حال تھا۔ اگر اول آخر کے ان تین تین خالی اوراق کو بھی متن کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو کل صفحات ۲۴۴ بنتے ہیں۔ کاغذ ہاتھ سے بنا ہوا ہے اور کافی موٹا ہے یہی وجہ ہے دو صدیوں سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ایسا بوسیدہ نہیں کہ ہاتھ لگانے سے ٹوٹتا ہو۔ مخطوطہ صفحات کے لحاظ سے نہ صرف مکمل ہے بل کہ اچھی حالت میں ہے۔ بعض صفحات کرم خوردہ ضرور ہیں مگر اس قدر نہیں کہ متن کی تفہیم میں رکاوٹ پیدا کریں۔ ہر ورق کے آخری صفحے کے آخر میں "ترک" موجود ہے۔ صفحات کا سائز ۷/۱۰ انچ ہے جبکہ مسطر ۱۷ سطری ہے۔ شروع میں غلام اکبر کے ہاتھ کا مقدمہ لکھا ہے

جس میں اس نے اس نسخہ کی اشاعت کی غرض و غایت اور دیگر بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ مقدمہ صرف اسی نسخہ کی انفرادیت ہے اور یہ کسی اور نسخہ میں نہیں ملتا۔ مقدمہ کے آخر میں اس نئے ایڈیشن کی تعریف فارسی کے دو اشعار لکھے گئے ہیں اس مقدمہ کے بعد تسمیہ سے میر امن کا دیباچہ شروع ہوتا ہے۔ اصل مخطوطہ میں فہرست نہیں بنائی گئی تاہم محمد چراغ دین نے اس کے آخر میں آسانی کے لیے خود سے فہرست بنادی ہے ۔البتہ اس مخطوطہ میں ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ عنوانات صفحہ کے ایک طرف بنادیے گئے ہیں مثال کے طور پر میر امن کے دیباچہ میں جہاں نعتیہ اشعار دیے گئے ہیں وہاں صفحہ کے بائیں طرف باریک قلم سے " دربیان نعت محمد رسول اللہ "کا عنوان لکھا گیا ہے۔ کتاب کا متن ایک کاتب کے ہاتھ کا نہیں لگتا۔ بعض مقامات پر خط انتہائی خوبصورت اور پختہ ہے جب کہ بعض مقامات پر خط میں پختگی دکھائی نہیں دیتی۔ شاید چار سے پانچ کاتبوں نے اس کو لکھا ہے۔ پیرا گراف کی ابتدا بعض مقامات پر نئی سطر سے کی گئی ہے لیکن اکثر مقامات پر کاغذ کی بچت کے لیے الفاظ میں فاصلہ چھوڑ کر نیا پیرا گراف شروع کر دیا گیا ہے۔ یہی اسلوب اشعار میں اختیار کیا گیا ہے۔ ہر مصرع نئی سطر سے شروع کرنے کے بجائے ہر دو مصرع کے درمیان کچھ فاصلہ دیا گیا ہے یوں اشعار بادی النظر میں نثر کا ہی حصہ دکھائی دیتے ہیں۔

مخطوطہ ہذا میں رموز او قاف کا استعمال نہیں کیا گیا البتہ بعض مقامات پر اعراب ڈال دیے گئے ہیں۔ ک ،گ اور یائے معروف و مجہول میں فرق نہیں برتا گیا۔ مرکب صوتیوں (بھ، پھ، جھ وغیرہ) کا استعمال نہیں کیا گیا۔ مفرد حروف کے ساتھ الگ سے "ہ" ملا کر املا کیا گیا ہے [29]۔ نون غنہ کا استعمال بھی نہیں کیا گیا بل کہ ہر جگہ واضح نون لکھا گیا ہے۔ کئی جگہوں پر عبارت کو کاٹ کر لکھا گیا ہے۔ کئی جگہوں پر اغلاط موجود ہیں لیکن غلط نامہ نہیں دیا گیا۔

مخطوطہ کے مجموعی جائزہ سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ مخطوطہ، مطبوعہ نسخہ کے ٹائپ کے لیے بہ طور مسودہ تیار کیا گیا تھا۔ برٹش میوزیم لائبریری میں پڑے اس کے مطبوعہ نسخہ سے اس کی تصدیق یا تردید ممکن ہو سکتی ہے۔ راقم الحروف نے اس مطبوعہ نسخہ کی نقل کے حصول کی کوشش کی لیکن بار آور ثابت نہ ہوئی۔ قوی امکان ہے کہ اس مطبوعہ نسخہ میں تھامس روبک کا لکھا کوئی مقدمہ بھی شامل ہو جو "باغ و بہار" اور اس

کے مصنف کے بارے میں کئی حقائق کو منکشف کرنے کا باعث ہو۔ ممکن ہے مستقبل کا کوئی محقق اس مطبوعہ نسخہ تک رسائی حاصل کرلے اور وہ اس مخطوطہ اور مطبوعہ نسخہ کا موازنہ کرکے تحقیق کی نئی راہیں وا کرے۔

اس مخطوطہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ اس وقت تک وہ پہلا خطی نسخہ ہے جو اگرچہ میر امن کے ہاتھ کا تو نہیں لیکن اسی فورٹ ولیم کالج کے زیر انتظام پروفیسر جوزف ٹیلر کی رائے اور پروفیسر تھامس روبک کی زیر نگرانی کالج کے سابق سررشتہ دار نے ترتیب دیا اور ہندوستانی چھاپہ خانہ سے شائع کیا گیا۔ اس اعتبار سے یہ "باغ وبہار" کے موجودہ تمام نسخوں سے معتبر ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1] ۔ العلق ۹۶:۴

[2] ۔ انجم رومانی، ڈاکٹر، "مخطوطات، اہمیت، حصول، تحفظ، مشمولہ فکر و نظر اسلام آباد، شعبہ مطبوعات، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، جنوری تا مارچ ۱۹۹۸ء، ص ۳۱

[3] ۔ مرزا حامد بیگ (مرتب)، باغ وبہار، لاہور، اردو سائنس بورڈ (۲۰۰۴ء)، ص: ۶۲

[4] ۔ راجندر ناتھ شیدا، وثائق فورٹ ولیم کالج، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، (۲۰۰۳ء) ص: ۲۴۴

[5] ۔ راجندر ناتھ شیدا، وثائق فورٹ ولیم کالج، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، (۲۰۰۳ء) ص: ۲۴۴

[6] ۔ دیکھیے ایل ایف سمتھ کا تحریر کردہ دیباچہ جس کے آخر میں اس نے یکم ستمبر ۱۸۱۱ء کی تاریخ ڈالی ہے۔ البتہ انتساب جو کہ لارڈ منٹو کے نام ہے، اس کے نیچے یکم اگست ۱۸۱۳ء کی تاریخ ڈالی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگست ۱۸۱۳ میں طباعت کی غرض سے یہ نسخہ پریس میں چلا گیا تھا۔

[7] ۔ راجندر ناتھ شیدا، وثائق فورٹ ولیم کالج، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، (۲۰۰۳ء) ص: ۲۴۵

[8] ۔ ایضاً

[9] ۔ Thomas Roebuck,The Annals or The College of Fort William,Calcutta,(1819) pg379

[10] ۔ ایل ایف سمتھ کے دیباچہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو ادب کے وہ تمام نامور محققین جنھوں نے "باغ وبہار" پر تحقیق کی ہے انھوں نے اس دیباچہ کا مطالعہ نہیں کیا کیوں کہ یہ دیباچہ ستمبر ۱۸۱۱ء میں یعنی میر امن کے فورٹ ولیم کالج میں موجودگی کے تقریباً سات سال بعد لکھا گیا لہٰذا اس میں اگر میر امن کے حوالے سے کوئی تاریخی شہادت نقل

کی گئی ہو گی تو وہ کافی حد تک مستند سمجھی جائے گی۔ جب اس دیباچہ کا مطالعہ کیا جائے تو میر امن کے حوالے سے چند ایسے انکشافات سامنے آتے ہیں جو نام ور محققین کی نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ان حقائق میں سے ایک تو یہ کہ ۱۸۱۳ء تک میر امن حیات تھا کیوں کہ ایل ایف سمتھ نے اس کو اپنا دوست قرار دیا ہے اور اس کو دعائیہ جملہ سے خطاب کیا ہے ملاحظہ ہو ایل ایف سمتھ کے دیباچہ کی عبارت اور اس کا اسلوب:

I hope my friend Meer Ummun may raise a smile, or exhilarate a languid hour. He will likewise instruct those who wish to view the outré pictures of Eastern manners; his Genii and his Demons, his Fairies and his Angels, formed parts of his religious creed. (Preface by Translator)

ایل ایف سمتھ نے اس عبارت میں میر امن کو اپنا دوست قرار دیا ہے اور اس کے لیے مسکراہٹ کی دعا کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۱۱ء تک میر امن حیات تھا۔

[11] The tale of the four Durwesh , L. F. Smith , pg c. Cassypore M. B. SOON & Co. 1852

[12] Thomas Roebuck,The Annals or The College of Fort William,Calcutta,(1819) pg26

[13] Linguistic survey of india , vol 9 part 1 , pg 30

[14] عبیدہ بیگم، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، الہ آباد (انڈیا)، فائن آفسٹ ورکس، (۱۹۸۳ء)، ص ۳۲۲

[15] ایضاً، ص ۶۳۴

[16] ڈاکٹر شہناز نبی،، فورٹ ولیم کالج اور حسن اختلاط، کولکاتا۔۹، کوالٹی ویکس آفسیٹ پرنٹرز، (۲۰۰۳ء) ص ۵۳

[17] ڈاکٹر سمیع اللہ، انیسویں صدی میں اردو کے تصنیفی ادارے ،نشاط پریس آفسیٹ ٹانڈہ فیض آباد،انڈیا ، (اکتوبر ۱۹۸۸) ص ۸۵

[18] J.F Blumhardt,Catalogue of Hindustani Printed Books.., London ,(1889) pg168

[19] Crown 4to 10"x7½" [25.4cm x 19cm] Demy 8vo 8¾" x 5½" [22.2cm x 13.9cm] Demy 4to 11" x 8¾" [27.9cm x 22.2cm] Foolscap 8vo 6¾" x 4¼ " [17.1cm x 10.7cm]

[20] غلام اکبر، باغ و بہار، مخطوطہ، مملوکہ ڈاکٹر محمد عارف، ص: ۱

[21] البتہ "نہم ماہ رمضان المبارک" میں چند احتمالات ہیں اول یہ کہ نہم سے مراد رمضان المبارک کا نواں دن۔ لیکن اس صورت میں ۹ رمضان المبارک کو جمعرات نہیں بنتی بل کہ ۹ رمضان المبارک اتوار ۵ ستمبر ۱۸۱۳ء بنتی ہے۔ یہ بھی

احتمال ہے کہ نہم سے مراد عیسوی مہینے ستمبر کی تاریخ ہو اس صورت میں ۹ ستمبر ۱۸۱۳ء کو جمعرات بنتی ہے جو کہ مخطوطہ کے مطابق ہے۔ایک احتمال یہ ہے کہ نہم ماہ کی صفت ہو یعنی نواں مہینہ رمضان المبارک۔ظاہر ہے رمضان المبارک قمری سال کا نواں مہینہ ہے۔لیکن ایک احتمال جو زیادہ قرین قیاس ہے وہ یہ ہے کہ مخطوطہ میں لکھی تاریخ اور دن ہی درست ہو کیوں کہ یہ ساری تحقیق انٹرنیٹ پر دستیاب قمری کیلنڈر پر مبنی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے پوری دنیا میں قمری کیلنڈر یکساں نہیں ہوتا۔کرہ ارض کے مختلف مطالع ہیں اور اختلاف مطالع دو دن بھی ہو سکتا ہے۔اگر دو دن مان لیا جائے تو ۹ رمضان المبارک جمعرات بہ مطابق ۲ ستمبر ۱۸۱۳ء بنتی ہے۔

22۔ ایل ایف سمتھ نے یکم اگست ۱۸۱۳ء کے بعد اپنا انگریزی ترجمہ اشاعت کے لیے بھیجا کیونکہ انتساب پر اس نے یکم اگست ۱۸۱۳ء کی تاریخ لکھی ہے۔بعد ازاں جب اسے غلام اکبر کے باغ و بہار کا نیا ایڈیشن شائع کرنے کا علم ہوا تو اس نے پوسٹ سکرپٹ کے عنوان سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔یہ پوسٹ سکرپٹ یقیناً اگست کے اخیر یا ستمبر کے شروع میں لکھا گیا ہو گا اور یہ وہی تاریخ بنتی ہے جو مذکورہ مخطوطہ میں بیان کی گئی ہے۔

23۔ Thomas Roebuck, The Annals or The College of Fort William, Calcutta,(1819) pg26

24۔ A Comprehensive history of India, Volume 11, pg 824

25۔ انٹرویو امۃ القیوم دختر محمد چراغ دین، ۱۲ مارچ ۲۰۱۸ء

26۔ انٹرویو امۃ القیوم ورشیدہ کلثوم دختران محمد چراغ دین، ۱۵ جولائی ۲۰۱۸ء

27۔ ویسے بھی "میر" اس دور میں عمومی طور پر سادات کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے جیسے میر تقی میر اور میر درد اردو کے مشہور شعرا سادات قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

28۔ انٹرویو رشیدہ کلثوم دختر محمد چراغ دین، ۱۲ مارچ ۲۰۱۸ء

29۔ مثال کے طور پر اچھا کو "اچہا" لکھا گیا ہے۔